میمو گیٹ سکینڈل کے کردار اور ان کی اصلیت

عبدالجبار ناصر

صدر پاکستان کی علالت، میمو گیٹ اسکینڈل، نیٹو و امریکی حملوں اور پاکستانی نژاد امریکی شہری منصور اعجاز کے آئے روز نئے انکشافات نے پاکستانی سیاست، حکومت، قومی سلامتی کے اداروں اور اعلیٰ عدلیہ سمیت تقریباً تمام شعبہ ہائے زندگی میں ہر طرف ہلچل مچادی ہے۔ جن کے منفی اثرات اب پورے جنوبی ایشیاء میں ظاہر ہونے لگے ہیں۔ لیکن پاکستان میں میمو گیٹ اسکینڈل کے بعد صدر آصف علی زرداری کی پراسرار علالت اور منصور اعجاز کے حکومت کے بعد آئی۔ ایس آئی کے سربراہ جنرل شجاع پاشا کی جانب سے حکومت یا صدر کی تبدیلی کے منصوبے کے حالیہ انکشاف نے اداروں کے درمیان ٹکراؤ کی کیفیت پیدا کردی ہے۔ میمو گیٹ اسکینڈل کے معاملے کو مسلم لیگ (ن) کے قائد میاں محمد نواز شریف عدالت عظمیٰ تک لے گئے اور عدالت کے ابتدائی احکام کے بعد اب چیف آف آرمی اسٹاف جنرل اشفاق پرویز کیانی، آئی ایس آئی کے سربراہ جنرل شجاع پاشا، پاکستانی نژاد امریکی شہری منصور اعجاز، امریکا میں پاکستان کے سابق سفیر حسین حقانی اور حکومت کی جانب سے عدالت میں جوابات داخل کرانے بعد جہاں صورت حال کسی حد تک واضح ہوئی ہے۔ وہیں اب اداروں کے درمیان ٹکراؤ کا امکان بھی بڑھ گیا ہے۔ تاہم اب عدالت عالیہ ہی نے فیصلہ کرنا ہے کہ میمو کی حقیقت کیا ہے اور اصل ذمہ دار کون ہیں لیکن بیشتر مبصرین اس بات پر متفق ہیں کہ پاکستانی سیاست کے مستقبل کے فیصلے میں میمو گیٹ اسکینڈل، بون کانفرنس اور ۲۶/ نومبر ۲۰۱۱ء کو مہمند ایجنسی کی سلالہ چیک پوسٹ پر امریکی اور نیٹو افواج کی دہشت گردی، بہت اہم کردار ادا کرے گی۔ اس حوالے سے صدر کی پراسرار علالت اور ان کی وطن واپسی کے حوالے سے متضاد اطلاعات کے بھی کئی اہم سوالات پیدا ہوئے ہیں۔ مجموعی طور پر ان تمام ابہام، تنازعات، خدشات، تحفظات اور سوالات کی اصل وجہ میمو گیٹ اسکینڈل کو ہی قرار دیا جارہا ہے۔ اس لیے ہم اس مضمون میں میمو گیٹ اسکینڈل کے بنیادی کرداروں کے حوالے سے ذکر کریں گے۔ اب تک میمو گیٹ اسکینڈل کے چار بنیادی کردار منظر عام پر آچکے ہیں، جن میں سے ہر ایک کے ماضی کو ترتیب سے پرکھنا ضروری ہے تاکہ اصل مقصد قارئین کے سامنے آسکے۔

پہلا کردار پاکستانی نژاد امریکی شہری منصور اعجاز۔ دوسرا کردار امریکا میں پاکستان کے سابق سفیر حسین حقانی۔ تیسرا کردار امریکی صدر بارک اوباما کے قومی سلامتی کے سابق سینئر مشیر جیمز ایل جونز اور چوتھا کردار امریکا فوج کے سابق سربراہ مائیک مولن ہے۔ آخر الذکر تینوں کرداروں سے پوری قوم اور باہر کی دنیا کے بیشتر لوگ باخبر ہیں لیکن اوّل الذکر کے حوالے سے بہت ساری چیزیں دنیا کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ حالانکہ منصور اعجاز نامی یہ کردار گزشتہ ۳۰ سال سے پاکستانی اور عالمی معاملات میں نمایاں ہے۔ اس لیے سب سے پہلے آج ہم اسی کردار کا جائزلیں گے۔ مصور منصور اعجاز (پورا نام) کے والدین کا اگرچہ تعلق پاکستان کے صوبہ پنجاب کے شہر لاہور سے ہے، جبکہ اس کی پیدائش امریکی ریاست فلوریڈا میں ۱۹۶۱ء میں

ہوئی۔ عملی زندگی کے آغاز کے ساتھ ہی یہ شخص ہمیشہ پراسرار کردار کا حامل رہا ہے۔ ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم امریکا میں ہی حاصل کی اور پھر اپنے آپ کو کاروبار، میڈیا سے منسلک رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ یورپ کے بڑے نشریاتی اشاعتی اداروں تجزیوں اور مضامین ذریعے اپنے خیالات پیش کرتا رہا۔ جن میں اس کا اصل ہدف اسلام، مسلمان، پاکستان اور پیپلز پارٹی رہے ہیں۔ سازشی ذہن، چرب زبان اور بے تکلف ہونے کی وجہ سے مشینری جذبات کے ساتھ اپنے سفر پر طے کرتا رہا اور بہت کم وقت میں امریکا کے اعلیٰ حکام تک رسائی حاصل کی جو اس کے مقصد کا بنیادی حصہ تھا۔ منصور اعجاز امریکی لہجے میں زبان ٹیڑھی کر کے انگلش میں بات کرتے ہوئے کبھی بھی اس میں پنجابی کی پیوند بھی لگاتے ہیں لیکن اردو کو وہ چھوتے تک نہیں ہیں۔

منصور اعجاز کا کردار ہمیشہ پراسرار رہا۔ اگرچہ انھوں نے شروع میں اپنے آپ کو کاروبار سے منسلک رکھنے کی کوشش کی لیکن پھر امریکی خفیہ ادارے کے سابق ڈائریکٹر جیمز وزلے کے ساتھ کام کرنا شروع کیا۔ ۱۹۹۰ء میں انھوں نے کریسنٹ مینجمنٹ انویسٹمنٹ کے نام سے کمپنی قائم کی جس کے یہ بانی چیئرمین بھی رہے۔ ایک سابق امریکی جنرل جیمز ایلن ابراہامسن بھی ان کے شریک رہے۔ منصور اعجاز کے والد ڈاکٹر مجدد احمد اعجاز دراصل ایٹمی سائنسدان تھے جنھوں نے امریکی ایٹمی ہتھیاروں کی تیاری اور ڈیزائننگ میں نمایاں کردار ادا کیا۔ جبکہ بعض ذرائع کا کہنا ہے کہ پاکستانی سائنسدان ڈاکٹر عبدالسلام ہی ڈاکٹر مجدد احمد اعجاز کو امریکا تک پہنچانا اور ان کو امریکی شہریت دلوانے میں ان کے قریبی رشتہ دار (کزن) ڈاکٹر عبدالسلام نے اہم کردار ادا کیا۔ بعدازاں پاکستان واپس آئے مگر ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو پاکستانی آئین میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دئے جانے اور ۱۹۸۴ء میں صدر جنرل ضیاء الحق کی جانب سے امتناع قادیانیت آرڈیننس کے اجراء کے بعد واپس چلے گئے پھر ان کا اور ان کے ساتھیوں کا پاکستان دشمنی زندگی کا واحد مقصد رہا۔

منصور اعجاز بظاہر تو اپنے آپ کو پاکستان کا ہمدرد ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن عملاً وہ پاکستان سے دشمنی کی حد تک نفرت کرتا ہے۔ اسی لیے وہ ہر اس آدمی کے ساتھ ملتا ہے جو پاکستان یا مسلمانوں کے خلاف کسی بھی محاذ پر سرگرم عمل ہو۔ منصور اعجاز نے سوڈان سے شیخ اسامہ بن لادن کی بے دخلی اور افغانستان میں ان کی آمد پر بھی امریکی ایجنٹ کا کردار ادا کیا جبکہ سابق عراقی صدر صدام حسین کا تعلق القاعدہ سے جوڑ کر ان کے خلاف مہم چلانے میں بھی پیش پیش رہا۔ منصور اعجاز ہمیشہ امریکی مفادات کا نہ صرف تحفظ کرتے رہا بلکہ ان مفادات کی تکمیل کے لیے وہ کسی بھی حد تک جانے کے لیے تیار رہا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے یکم اور دو مئی ۲۰۱۱ء کے درمیان ایبٹ آباد میں امریکی دہشت گردی کے بعد پاکستانی فوج اور آئی ایس آئی پر سنگین الزام عائد کرتے ہوئے فوکس نیوز میں واضح طور پر کہا تھا کہ امریکی حکومت کو اپنی مرضی کے مطابق سخت کارروائی کرنی چاہیے اور اس طرح کے اور بھی کئی لوگ یہاں پر چھپے ہوں گے۔ ان (پاکستانیوں) پر اعتبار نہ کیا جائے۔ اس تجزیے میں پاکستان دشمنی کی بدبو آرہی تھی۔ منصور اعجاز کے ایک پیغام کے مطابق ۱۹۹۶ء میں بینظیر بھٹو کی حکومت کو گرانے میں ان کا کردار رہا ہے۔ کیوں کہ وہ ۱۹۹۵ء میں بے نظیر بھٹو کے دوسرے دور حکومت میں اسرائیل کو تسلیم کرانے کے لیے کافی سرگرم رہے اور ناکامی پر سازش پر اتر آئے۔ اور نواز شریف کے دوسرے دور حکومت میں ایک مرتبہ پھر اسرائیل کو تسلیم کرانے کے لیے کافی سرگرم ہو گئے۔ اور پیپلز پارٹی والے دعویٰ کرتے ہیں کہ ۱۰/۱ اکتوبر ۱۹۹۹ء کو لیگی رہنما اور اس وقت کے وزیر خارجہ سرتاج عزیز کی رہائش گاہ پر لیگیوں سے ملاقات بھی کی، جو نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوئی۔ جبکہ سرتاج

عزیز اس ملاقات سے انکاری ہیں۔ تاہم ستمبر ۱۹۹۹ء میں دورۂ امریکا کے موقع پر ایک ملاقات کی تصدیق کر رہے ہیں۔ منصور اعجاز کے دعوے کے مطابق وہ حسین حقانی کے ساتھ مل کر پاکستانی ایٹم بم کے حوالے سے مشترکہ مضامین بھی لکھ چکے ہیں۔ ایک مضمون میں تو پاکستانی ایٹم بم کے حوالے سے زہر اگلا گیا ہے۔ اس مضمون کو منصور اعجاز نے حسین حقانی کے ساتھ پرانے تعلقات کے ثبوت کے طور پر عدالت میں جمع بھی کرایا ہے۔ منصور اعجاز اپنے آپ کو معروف افریقی رہنما نیلسن منڈیلا کا مشیر بھی ظاہر کرتے رہے ہیں۔ تاہم اس سب کے باوجود منصور اعجاز کو نہ صرف پاکستان اور دنیا کے دیگر ممالک بلکہ امریکا میں بھی پراسرار اور مشکوک سمجھا جاتا ہے۔ تاہم امریکی ادارے بھی منصور اعجاز کو اسی وقت استعمال کرتے ہیں جب مسلمانوں یا پاکستان کے خلاف کوئی سازش تیار کرنی ہو۔

منصور اعجاز کو جاننے والوں کا کہنا ہے کہ یہ شخص انتہائی چالاک اور مہلک ہے۔ اپنے شکار کو جال میں پھنسانے کے لیے نت نئے حربے استعمال کرتا ہے اور جب اپنا مطلب اور مفاد پورا ہوتا ہے تو اٹھا کر پٹخ دیتا ہے۔ اس کے سامنے دوستی اور یاری ذاتی مفادات کا نام ہے۔ منصور اعجاز کے حوالے سے کہا جاتا ہے کہ وہ فلسطین کے حوالے سے بھی کردار ادا کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن شاید اس بات کا علم بہت کم لوگوں کو علم ہوگا کہ منصور اعجاز آج بھی اپنی اسرائیلی بیوی کے ساتھ منا کو میں رہ رہے ہیں۔ جس کی تصدیق حسین حقانی نے ۳/ دسمبر ۲۰۱۱ء کو ایک ٹی وی پروگرام میں بھی کی۔ منصور اعجاز کا کردار صرف یہی تک محدود نہیں رہا بلکہ انھوں نے ۲۰۰۱ء سے ۲۰۰۲ء تک تنازع کشمیر میں بھی اپنا کردار ادا کرنے کے نام پر کشمیریوں کو تقسیم کرنے کی سازش کی، لیکن یہ سازش جلد ناکامی سے دوچار ہوئی۔ منصور اعجاز نے اپنے آپ کو امریکی صدر بل کلنٹن کے بااعتماد ساتھی کے طور پر پیش کیا اور بھارتی حکومت کو اپنے جال میں اس طرح پھنسایا کہ انہیں ویزے کے بغیر بھی دہلی اور سری نگر کے سفر کی اجازت دی گئی، جس کو منصور اعجاز کشمیر کو حل کرنے کا منصوبہ قرار دے رہے ہیں، جس کی تصدیق ۲۸/ اکتوبر ۲۰۱۱ء کو حسین حقانی نے بھی کی۔

نومبر ۲۰۰۰ء میں بھارت کے دارالحکومت دہلی کے ایک بڑے ہوٹل میں کشمیر کانفرنس کا اہتمام کیا گیا۔ جس کا بنیادی مقصد مسلمانوں کے مسائل کو اجاگر کرنا بتایا گیا تھا۔ لیکن اس کانفرنس میں منصور اعجاز الٹا مسلمانوں اور عربوں پر ہی برس پڑے اور دل کھول کر مسلمانوں اور عربوں کے خلاف ہرزہ سرائی کی۔ جس پر بیشتر مسلمان بالخصوص کشمیری رہنما شدید ناراض ہوئے۔ معروف کشمیری رہنما یاسین ملک نے منصور اعجاز کے خیالات پر شدید افسوس اور ناراضی کا اظہار کیا۔ جس پر منصور اعجاز نے نہ صرف ان سے معافی مانگی بلکہ انہیں دعوت دے کر اپنے کمرے میں بلایا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس سازشی نے اس موقع کو بھی اپنے مفاد اور کشمیریوں کے خلاف استعمال کرنے کی ایک بہت بڑی سازش تیار کی۔ یاسین ملک کی آمد سے قبل اس کمرے میں ایک فرد موجود تھا۔ یہ فرد بھارتی خفیہ ایجنسی ''ریسرچ اینڈ انالسس ونگ (را)'' امور کشمیر کے انچارج چندر دیو سہائے تھے، جن کو یاسین ملک نہیں جانتے تھے۔ مختصر گفتگو کے بعد یاسین ملک اٹھ کر تو چلے گئے لیکن اس کے بعد منصور اعجاز نے یاسین ملک اور را کے سربراہ کی ملاقات کی خبر افشاں کی۔ جس سے یاسین ملک کی شخصیت اور ان کی جدوجہد کو سخت دھچکا لگا۔ لبریشن فرنٹ کے سربراہ یہ بات تو تسلیم کرتے ہیں کہ منصور اعجاز کے کمرے میں ایک شخص موجود تھا جسے وہ نہیں جانتے تھے اور نہ ہی اس کا تعارف کرایا گیا۔ یاسین ملک نے مجبوراً اس حد تک اعلان کیا کہ اگر ''را'' کے سربراہ کے طور پر کسی شخص سے میری ملاقات کی تصدیق ہو جائے تو میں اپنی سیاسی زندگی چھوڑ دوں گا۔

دراصل مسلمانوں اور پاکستان کے خلاف سازش منصور اعجاز کا پہلا اور آخری مقصد رہا ہے۔ جس کی کامیابی کے لیے وہ ہر عمل کر گزرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہائٹ ہاؤس اور اعلیٰ امریکی حکام تک رسائی کے لیے منصور اعجاز نے سی آئی اے کے سابق ڈائریکٹر جیمز وزلے کا بھرپور سہارا لیا۔ جن کو اس نے اپنے شیشے میں اتار لیا تھا اور یہ دونوں کاروبار میں شرکت دار بھی تھے۔ سی آئی اے کے یہ سابق ڈائریکٹر مسلمان نظریات کے سخت مخالف اور کٹر اسرائیل نواز سمجھے جاتے ہیں۔ عہدے سے الگ ہونے کے بعد انہوں نے اپنے تجزیوں، مضامین اور دیگر ذرائع سے اپنے خیالات کا اظہار بھی کیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کا پورا رنگ منصور اعجاز میں تھا۔

نومبر ۲۰۰۰ء کی کشمیر کانفرنس میں منصور اعجاز نے دعویٰ کیا کہ وہ تنازع کشمیر کے حل کے حوالے سے روڈ میپ تیار کر رہے ہیں۔ جبکہ مختلف ذرائع سے حاصل کردہ اعداد و شمار کے مطابق منصور اعجاز نے ۲۰۰۱ء میں کشمیر کو تین حصوں میں تقسیم کرنے کے لیے ایک منصوبہ بھارت کو پیش کیا۔ اس زمانے میں بھارت میں ''این ڈی اے'' کی حکومت تھی اور اٹل بہاری واجپائی بھارتی وزیر اعظم تھے۔ شدید مسلم مخالف ہونے کے باوجود کشمیر کے حوالے سے منصور اعجاز کے منصوبے کے حامی نظر آئے۔ منصور اعجاز کے روڈ میپ کے مطابق ریاست جموں و کشمیر کی وحدت کو تین حصوں میں تقسیم کرنا تھا۔ پہلا حصہ جموں ولداخ جو بھارت کو ملنا تھا۔ دوسرا حصہ آزاد کشمیر اور گلگت بلتستان جو بعض ترامیم کے ساتھ پاکستان کو ملنے تھے۔ جبکہ تیسرا حصہ وادی کا تھا جس کو ایک خود مختار الگ ریاست طور پر پیش کیا گیا۔ اس منصوبے میں بھارت فائدے میں تھا کیونکہ اس کا مقصد پورا ہو رہا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ثالثی قبول نہ کرنے دعویدار بھارت نے بھی اپنا دیکھ کر امریکی صدر کلنٹن کے اس رفیق خاص اور ایک پاکستانی نژاد تاجر کے منصوبے اور ثالثی کو قبول کیا۔ مختلف ذرائع سے حاصل کردہ معلومات کے مطابق منصور اعجاز نے اپنے پاکستان اور کشمیر دشمن منصوبے کی تکمیل کے لیے مجاہدین کشمیر کو استعمال کرنے کی کوشش کی اور یک طرفہ جنگ بندی کا ایک فارمولا پیش کیا۔ جس میں مسٹر اعجاز کو ''را'' کے امور کشمیر کے انچارج چندر دیو سہائے'' کی حمایت بھی حاصل تھی اور تمام کام ان کی مشاورت سے ہو رہے تھے۔ منصوبے پر عمل کے لیے کشمیری مجاہدین کی سب سے مضبوط اور منظم تنظیم حزب المجاہدین کے چیف آپریشن کمانڈر عبدالمجید ڈار کا انتخاب کیا گیا۔ جن کو پہلے آزاد کشمیر سے غائب کروایا۔ پھر کراچی سے دبئی وہاں سے دہلی پھر اچانک سری نگر پہنچا کر اپنی ہائی کمان کی مشاورت کے بغیر یک طرفہ طور پر مشروط جنگ بندی کا اعلان کروایا گیا۔ اس جنگ بندی نے کشمیر میں آزادی کی جہدوجہد کی پیٹ پر چھرے کا کام کیا۔ اور اس بات کا خدشہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں بڑے پیمانے پر مجاہدین کے اندر اختلافات پیدا نہ ہوں۔ تاہم حزب المجاہدین کے سربراہ سید صلاح الدین جیسی دور اندیش اور باصلاحیت قیادت اور دیگر مجاہدین کی موقع شناسی نے کسی بڑے سانحہ سے قبل ہی صورتحال کو کنٹرول کیا۔ لیکن اس کا اتنا خطرناک اثر ہوا کہ کئی لوگ مجاہدین کی سرگرمیوں سے بددل ہوئے اور انہوں نے کشمیر کے اندر عسکری جدوجہد کی بجائے سیاسی جدوجہد کی طرف اپنے آپ کو گامزن کر لیا۔

اگرچہ یہ جنگ بندی محدود وقت تک ہی برقرار رہ سکی۔ لیکن کشمیر کے حوالے سے ٹرننگ پوائنٹ ثابت ہوئی۔ بعد ازاں سید صلاح الدین نے جنگ بندی کو ختم کر دیا۔ لیکن منصور اعجاز کے مطابق وہ اس تسلسل کو برقرار رکھنے کے لیے متعدد مرتبہ سید صلاح الدین سے ملاقات بھی کر چکے تھے۔ جبکہ سید صلاح الدین نے اس بات کی تصدیق کی تھی کہ دو مرتبہ ان سے ملاقات ہوئی ہے۔ ایک اس وقت جب وہ جنگ بندی کے خاتمے کا اعلان ایک روز قبل ہی کر چکے تھے۔ منصور اعجاز مبینہ طور پر

آئی ایس آئی کے ذمہ دار خالد خواجہ کے ہمراہ ملاقات کے لیے آئے اور ان کی خواہش تھی کہ جنگ بندی کا خاتمہ نہ کیا جائے جبکہ دوسری مرتبہ منصور اعجاز اپنی والدہ کے ہمراہ مظفر آباد میں ملنے آئے۔ منصور اعجاز اور ان کی ماں کی کوشش تھی کہ جنگ بندی کو نہ ختم کیا جائے، لیکن ایسا کرنے سے میں نے انکار کیا۔ انھوں نے جنگ بندی کو نہ ختم کرنے کے لیے لالچ دیا اور کہا کہ امریکا اس حوالے سے آپ کو بڑا فائدہ پہنچانا چاہتا ہے اور امریکا کی جانب سے ملنے والا اقتصادی فائدہ کشمیریوں کی فلاح و بہبود کے لیے آپ کی ہی مرضی سے استعمال ہوگا اور امریکی صدر بل کلنٹن سے بہتر تعلقات کے ثبوت کے طور پر جیب سے ایک تصویر نکال کر دکھادی، جس میں وہ امریکی صدر کے اہل خانہ کے ہمراہ تھے۔ بیٹے کی طرح ماں بھی لالچ کو قبول کرنے پر زور دے رہی تھیں۔ سید صلاح الدین کے مطابق اس نے اصرار کیا کہ جنگ بندی کو جاری رکھیں۔ لیکن ہم نے واضح کر دیا تھا کہ ہندوستان کی طرف سے اس جنگ بندی کی شرائط پوری نہیں کی گئیں اور انھیں مثبت ردعمل نہیں آیا۔ لہٰذا اب جنگ بندی کا خاتمہ ضروری ہے۔ لیکن منصور اعجاز پھر بھی اصرار کرتا رہا اور مجبوراً پھر مجھے سخت لہجہ اختیار کرنا پڑا کہ اب اگر آپ نے مزید بات کی تو حالات کی سنگینی کے ذمہ دار آپ خود ہوں گے۔ اس کے بعد اس شخص نے پھر کبھی ملنے کی کوشش نہ کی۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ اگر سید صلاح الدین دانش مندی کا ثبوت نہ دیتے تو کشمیر کاز کو ناقابل تلافی نقصان پہنچ سکتا تھا۔

دراصل منصور اعجاز کا روڈ میپ (کشمیر امن منصوبہ) خطے میں ایک نئے اسرائیل کا قیام تھا۔ نظریاتی طور پر ان کے روحانی آباء گزشتہ ایک صدی سے اس کے لیے کوشاں ہیں۔ مرزا بشیر الدین اور دیگر کا کردار اور سرگرمیوں کی تاریخ گواہ ہے۔ یہ گروہ وادی کشمیر پر عالمی قوتوں کی مدد سے اس طرح قابض ہونا چاہ رہا تھا، جس طرح یہودیوں نے عالمی سامراج کی مدد سے فلسطین پر قبضہ کیا ہے۔ کشمیر پر قبضے کی پہلی کوشش مرزا بشیر الدین نے اس وقت کی تھی جب انہیں پہلی کشمیر کمیٹی کا سربراہ بنایا گیا۔ جس کی آڑ میں مرزا بشیر نے قادیانیت کی تبلیغ شروع کر دی اور مجلس احرار کے پلیٹ فارم سے مسلمان مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی قیادت میں متحرک ہوئے اور کشمیر چلو کی تحریک شروع کی تھی۔ جس کے بعد مرزا بشیر الدین کو کمیٹی سے مستعفی ہونا پڑا اور علامہ محمد اقبال کمیٹی کے سربراہ بنیں۔ منصور اعجاز ہو یا مرزا منصور آج بھی کشمیر پر ان کی نظریں لگی ہوئی ہیں۔

۱۹۹۳ء اور ۱۹۹۶ء میں بھی منصور اعجاز کا نام سنا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۹۹۳ء میں نواز شریف کو بھی منصور اعجاز نے اپنے جال پھنسانے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ لیکن ۱۹۹۶ء بینظیر بھٹو کی حکومت گرانے میں اس شخص کا کردار بھی تھا۔ جس کی انھوں نے خود تصدیق بھی کی۔ نواز شریف کے دوسرے دور حکومت میں بھی اس شخص نے سازش کرنے کی کوشش کی لیکن اس بار بھی کامیاب نہ ہوا۔ منصور اعجاز کا دعویٰ ہے کہ ۱۹۹۹ء میں کارگل واقعہ کے بعد انھوں نے اپنا بھرپور کردار ادا کیا ہے، جو ایک مفروضہ ہے۔ کارگل جنگ بندی کی حقیقت کچھ اور ہے۔ جس سے میاں نواز شریف سمیت کئی لوگ واقف ہیں اور معلوم نہیں کہ خاموشی کیوں اختیار کی ہوئی ہے۔ باوثوق ذرائع کے مطابق سابق فوجی آمر پرویز مشرف کی غفلت سے اگلے محاذوں پر لڑنے والے فوجی شدید مشکلات اور مسائل سے دوچار تھے کہ جون ۱۹۹۹ء میں محاذ جنگ سے ہی کسی اہم ذمہ دار نے اس وقت کی حکومت کے نام خط لکھا کہ اور کہا کہ ''مکے لہرانے اور اعلانات کرنے کے بجائے کوئی عملی اقدام کریں ورنہ آئندہ چند روز تمہارے لیے بہت مشکل ہوں گے اور دشمن آگے بڑھ رہا ہے اس کو روکنے کا انتظام کرو۔ اگر ملک کی سرحدوں کو بچانا چاہتے ہو

تو کوئی بچت کی راہ نکالو''۔ حقیقت کا انکشاف ہوتے ہی اس وقت کے وزیراعظم میاں محمد نواز شریف اور حکومت کے ہوش ٹھکانے آ گئے اور مجبوراً نواز شریف اور ان کے ساتھیوں کو صدر کلنٹن سے اپنی یاری کا سہارا لیتے ہوئے واشنگٹن پہنچنا پڑا۔ کاش! اس واقعے کے بعد نواز شریف انکوائری کمیشن قائم کرتے اور حقیقت قوم کے سامنے آ جاتی کہ وطن کے ساتھ غداری کس نے اور کیوں کی ؟ کچھ ذرائع کا دعویٰ ہے منصور اعجاز نے نائن الیون سے قبل اور بعد میں طالبان بالخصوص ملا عمر سے رابطے کرنے کی کوشش کی مگر کامیابی نہ ہو سکی۔ اس حوالے سے رابطہ کار کے طور پر خالد خواجہ نام بھی لیا جاتا ہے۔ اس ضمن میں اسلام آباد میں ایک کانفرنس کی باز گشت بھی سنائی دیتی ہے۔ جبکہ خالد خواجہ کی موت کا ایک بڑا سبب بھی منصور اعجاز سے مبینہ روابط بتائے جاتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پاکستانی نژاد ہوتے ہوئے بھی، منصور اعجاز آخر ہر پاکستان دشمن منصوبے میں ہراول دستے کا کردار ادا کرنے کے لیے فوراً تیار کیوں ہوتا ہے؟ اس کے اسباب اور مقاصد کیا ہیں؟ منصور اعجاز ہمیشہ پاکستان اور مسلمانوں میں عدم استحکام کیوں دیکھنا چاہتا ہے؟ ان تمام سوالات کا ایک ہی جواب ہے کہ منصور اعجاز اور اس قبیل سے تعلق رکھنے والے لوگوں کو ۱۹۷۴ء میں پاکستانی آئین میں کی گئی ترامیم ''جس کے تحت قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا'' اور ۱۹۸۴ء کا امتناع قادیانیت آرڈیننس کا اجرا سخت ناپسند ہے۔ منصور اعجاز کا بھی اسی اقلیتی فرقے سے تعلق ہے۔ اس کے والد ڈاکٹر مجدد احمد اعجاز پاکستان اور امریکا میں اپنے گروہ کے لیے کافی سرگرم رہے۔ جبکہ مصور منصور اعجاز کے دادا مرزا غلام احمد قادیانی کے قریبی عزیز اور قادیانی گروہ کے ابتدائی ۳۱۳ افراد میں سے ایک تھے۔ اس کے روحانی پیشوا کی آخری خواہش اکھنڈ بھارت تھی۔ جس کی تکمیل کے لیے منصور اعجاز ہو یا مرزا منصور سب کوشاں ہیں۔ مرزا طاہر نے ۱۹۸۴ء میں امتناع قادیانیت صدارتی آرڈیننس کے اجرا کے بعد واضح طور پر کہا تھا کہ احمدیوں کی بددعا سے پاکستان ٹکڑے ٹکڑے ہوگا۔ منصور اعجاز اور ان کے دیگر ساتھی اس بددعا کی قبولیت کے لیے کوشاں ہیں اور اسی بنیاد پر اب وہ اپنی نفرت کے اظہار کے لیے ہمیشہ پاکستان کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ اور آئینی ترمیم میں بنیادی کردار ادا کرنے پر علماء، عام مسلمانوں، مسلح افواج، ذوالفقار علی بھٹو، جنرل محمد ضیاء الحق اور پیپلز پارٹی سے انتہائی نفرت مذہبی فریضے کے طور پر کرتے ہیں۔ منصور اعجاز امریکا بالخصوص امریکی ایوانوں میں اپنے آپ کو ایک مسلمان کے طور پر پیش کرتا ہے۔ مگر اپنی تمام توانائیاں ہمیشہ امریکا، اسرائیل، بھارت اور ہر اسلام اور پاکستان دشمن کے مفاد کے لیے صرف کرتا ہے۔ امریکی اداروں اور اعلیٰ افراد تک رسائی کی وجہ سے یہ شخص لوگوں اور حکومتوں کو بلیک میل کرنے میں بڑی مہارت رکھتا ہے اور شکار کو مہارت کے ساتھ غیر محسوس طریقے سے اپنے جال میں پھنساتا ہے اور شاید کچھ ایسا ہی اس بار بھی پیپلز پارٹی کے ساتھ بھی ہوا ہے۔

میمو گیٹ اسکینڈل کا دوسرا کردار حسین حقانی ہیں جو امریکا میں پاکستانی سفیر تھے۔ کراچی کے علاقے ملیر میں رہنے والا یہ شخص ۱۹۵۶ء میں ایک متوسط اور دینی گھرانے میں پیدا ہوا۔ اپنی تعلیم کے ساتھ ساتھ غیر نصابی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیا، پہلے اسلامی جمعیت طلبہ کے اعلیٰ عہدے تک پہنچا۔ پھر جامعہ کراچی میں طلبہ یونین کی صدارت حاصل کی۔ بعد ازاں ۱۹۸۸ء میں آئی جے آئی کے قیام کے ساتھ ہی اس سے منسلک ہوا۔ ۱۹۹۰ء میں نواز شریف کے میڈیا کوآرڈینیٹر اور بعد ازاں سری لنکا میں سفیر کے طور پر کام کرتے رہا۔ ان کا شمار پاک فوج کے سخت ناقدین میں ہوتا ہے اس حوالے سے ان کی کتاب گواہ ہے۔ حسین حقانی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ بھی بہت تیزی کے ساتھ کسی اعلیٰ منزل تک پہنچنے کیلیے کچھ بھی کر گزرنے والی

شخصیت ہے۔شاید ان کے اسی جذبات کا فائدہ منصور اعجاز نے اٹھایا اور انہیں جال میں پھنسا دیا اور اب جان پر آئی ہے۔

میمو گیٹ کا تیسرا کردار ہے ۶۸ سالہ امریکی جنرل جیمز ایل جونز ہے جو صدر اوباما کے قومی سلامتی کے سابق سینئر مشیر ہیں۔کہا جاتا ہے کہ صدر اوباما نے اقتدار سنبھالنے کے بعد جیمز ایل جونز کا انتخاب اس لیے کیا تھا کہ اوباما کے نام کے ساتھ حسین کا لفظ تھا جس سے مسلمانوں کی طرف نسبت جاتی تھی اور اس حوالے سے کسی بھی ردعمل سے بچنے کے لیے بارک اوباما نے اپنے قرب وجوار اور اہم عہدوں پر ان لوگوں کو تعینات کیا جن کو اسرائیل نواز یا مسلمان مخالف تصور کیا جاتا تھا۔ جیمز ایل جونز کا شمار بھی انہیں میں ہوتا ہے اور وہ وائٹ ہاؤس میں بااثر بھی تصور کئے جاتے ہیں،اس لیے ڈاکیہ کے طور پر منصور اعجاز نے جیمز ایل جونز کا استعمال کیا۔ چوتھا کردار امریکی فوج کے میمو لکھنے کے وقت کے سربراہ ۶۵ سالہ ایڈمرل مائیک مولن ہے۔ایڈمرل مائیک مولن بھی پاکستان اور مسلمان مخالف سمجھے جاتے ہیں۔ان کی پاکستان دشمنی سے کون واقف نہیں،انہوں نے تو جاتے جاتے اپنی ریٹائرمنٹ سے ایک روز قبل حال ہی میں پاکستان پر سنگین الزام تراشی کی اور دونوں ملکوں کے مابین خلیج کو مزید وسیع کر دیا ان کا شمار بھی اسرائیل نوازوں میں ہوتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مبینہ طور پر حسین حقانی نے آخر اس میمو کیلیے مصور منصور اعجاز کا ہی انتخاب کیوں کیا؟۔دراصل جب یہ شخص سامنے آتا ہے تو اپنے آپ کو پاکستانی کہلاتا اور ہمدردی جتاتا ہے،اپنے مذہبی پیشوا کی طرح بہت جھوٹ بولتا ہے اور اپنے جھوٹ کو سچ ثابت کرنے کے لیے اس میں کچھ سچ کی آمیزش بھی کرتا ہے،اس کی جھوٹ آرائی کی کوئی انتہا نہیں ہے۔اس کی گفتگو سے تو بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ساری دنیا کا اصل ڈان یہی شخص ہے،اسی مہارت کی بنیاد پر کسی بھی شخص کو اپنے جال میں پھنسانے میں بڑی مہارت رکھتا ہے اور کوئی بھی آدمی پھنس سکتا ہے۔لگتا یہی ہے کہ اس بار بھی منصور اعجاز نے اپنی پرانی دشمنی نکالنے کیلیے موجودہ حکومت یا کسی ذمہ دار کو جال میں پھنسا لیا اور اب پیپلز پارٹی کیلیے گلے کا پھندا بن چکا ہے۔صدر زرداری کی بیماری کی اصل وجہ بھی میمو گیٹ اسکینڈل کو ہی قرار دیا جاتا ہے کیونکہ بات ان کی ذات تک جا پہنچی ہے اور عدالت میں زیر سماعت ہے تاہم یہ ایک بات ناقابل تردید ہے کہ دال میں کچھ کالا ہے جس کا بھرپور فائدہ منصور اعجاز نے اٹھایا اور ''دال میں کالے'' کا کہیں نہ کہیں ایبٹ آباد میں امریکی حملے سے ضرور تعلق ہے جس کے بارے میں منصور اعجاز کا دعویٰ ہے کہ حسین حقانی اور صدر زرداری کو پہلے سے ہی علم تھا۔حالات وواقعات کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ''کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے'' اور خوف نے میمو لکھنے پر مجبور کیا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر منصور اعجاز نے اس خفیہ دستاویز کے حوالے سے ۱۰/اکتوبر ۲۰۱۱ء کو مضمون کیوں لکھا ہے؟ دراصل اس سازشی کا خیال تھا کہ میمو کے مائیک مولن تک پہنچنے کے بعد امریکی فوج کی طرف سے پاکستان خلاف سخت ردعمل ہوگا، لیکن مکمل خاموشی رہی اور مائیک مولن پاکستان کے خلاف ایک نفرت آمیز بیان کے ساتھ ہی فوج سے ریٹائر ہو گیا اور میمو اپنی جگہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ثابت ہوا۔اس ساری صورتحال میں منصور اعجاز اور ان کے ساتھیوں کے وہ مقاصد پورے نہیں ہوئے جن کے ذریعے وہ پاکستان میں عدم استحکام پیدا کرنا چاہتے تھے جس کا ایک اور راستہ منصور اعجاز نے تلاش کیا اور میمو گیٹ کا انکشاف اپنے مضمون کے ذریعے کیا اور بعد ازاں اس کے قسط وار پیغامات کو ظاہر کر دیا اور ہوا پھر وہی کہ پاکستان میں بڑے پیمانے پر عدم استحکام کی

صورتحال پیدا ہوئی۔ اب ایک طرف حکومت اور دوسری طرف قومی سلامتی کے ادارے اور تیسری طرف عدلیہ نظر آتی ہے۔ اور یہ ادارے باہم دست وگریباں دکھائی دیتے ہیں۔ مؤخر الذکر دونوں اداروں کی مجبوری یہ ہے کہ اس میمو میں جو نکات اور یقین دہانیاں موجود ہیں وہ انتہائی مہلک اور پاکستان سے غداری پر مشتمل ہیں۔ یہ تو عدالت ہی فیصلہ کرے گی کہ اس کے پیچھے کون ہے اور کس نے کرایا لیکن اس حد تک منصور اعجاز اپنی سازش میں کامیاب ہوا کہ اس نے پاکستانیوں کو آپس میں دست وگریباں کر دیا۔ اس ایک تیر سے اس نے تین شکار کئے۔ ایک طرف قومی اداروں کے درمیان تصادم کی کیفیت پیدا کر دی دوسری طرف پیپلز پارٹی سے اپنی دشمنی نکال لی اور تیسری طرف دنیا کو یہ بتانے کی کوشش کی کہ پاکستان کے اعلیٰ حکام اپنے اقتدار یا مفاد کے لیے کیا کچھ بھی کر سکتے ہیں اور ان کو کس طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ منصور اعجاز کو جاننے والے کہتے ہیں کہ یہ شخص اب بھی خاموش نہیں رہے گا۔ وقتاً فوقتاً نئے نئے انکشافات کے نام پر پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کا سلسلہ جاری رکھے گا، کیونکہ اس کو بعض عالمی قوتوں کی حمایت حاصل ہے۔

بعض مبصرین ۲۶ر نومبر ۲۰۱۱ء کو مہمند ایجنسی کی چیک پوسٹ سلالہ پر امریکی اور نیٹو حملے کو بھی اسی میمو سے جوڑنے کی بھی کوشش کر رہے ہیں جن کا کہنا ہے کہ امریکا اور اس کے اتحادی ان حملوں کے ذریعے اپنے بعض دوستوں کو دباؤ کے ذریعے بچانا چاہتے ہیں لیکن شاید قومی سلامتی کے اداروں نے بھی اب تہیہ کر لیا ہے کہ وہ ملکی سرحدوں کی حفاظت کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہیں۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ اس مشکل گھڑی پر پوری قوم قومی سلامتی کے اداروں کے ساتھ کھڑی ہے۔ اس موقع پر فوجی سربراہ کا ردعمل قومی امنگوں کے عین مطابق ہے۔ اگرچہ حکومت کے بعض اقدام بھی خوش آئند ہیں لیکن اس کے پیچھے دباؤ نظر آتا ہے مگر حکومت کی تباہی کیلیے کسی باہر کے منصور اعجاز کی ضرورت نہیں ان کے پاس اپنا بابر اعوان ہی کافی ہے۔ بون کانفرنس کا بائیکاٹ، شمسی ایئر بیس خالی اور نیٹو سپلائی بند کرانے جیسے اقدام حکومت کے انتہائی مثبت ہیں۔ ان کو تسلسل کے ساتھ اس وقت تک جاری رہنا چاہئے جب تک ہماری قومی سلامتی کی ضمانت نہیں دی جاتی۔

افغان صدر حامد کرزئی کا یہ دعویٰ ہے کہ بون کانفرنس میں پاکستان کی شرکت سے کوئی نہیں فرق پڑا۔ یہ ان کی خام خیالی ہے کہ پاکستان اس پورے تنازع کا بنیادی فریق ہے۔ پاکستان کی مرضی کے مطابق افغانستان میں ترقی ہو سکتی ہے اور نہ ہی امن کی خواہش پوری ہوگی اور نیٹو اور امریکی بھی پاکستان کی مدد کے بغیر صحیح سلامت بچ نکل سکتے ہیں۔ اس لیے کہ افغانوں کی اکثریت آج بھی پاکستان کو اپنا دوسرا گھر سمجھتی ہے اور وہ پاکستان سے محبت کرتے ہیں۔ طالبان اور دیگر جہادی گروپوں کا افغانستان کے ۷۰ فیصد حصے پر عملاً کلی کنٹرول ہے۔ ۱۵ سے ۲۰ فیصد حصے پر جزوی اور افغانستان کا صرف ۱۰ فیصد علاقہ ایسا ہے جہاں پر جہادی قوتوں کے اثرات کم ہیں۔ اس کا واضح ثبوت بون کانفرنس کا انعقاد افغانستان کے دارالحکومت کابل کے بجائے ۲۰۰۲ء کی طرح اس بار بھی جرمنی کے شہر بون میں انعقاد ہے۔ حالانکہ اس کانفرنس کا بنیادی مقصد افغانستان کی تعمیر وترقی اور ۲۰۱۴ء تک نیٹو کا انخلاء تھا۔ دنیا کے ۱۰۰ سے زائد ممالک اس کانفرنس میں شریک ہوئے لیکن اکثر مبصرین کا یہی کہنا ہے کہ پاکستان کی شرکت کے بغیر بون کانفرنس بے مقصد رہی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ پاکستانی حکومت منصور اعجاز کے جال سے کس طرح نکلتی اور پاکستان امریکا اور نیٹو کے سامنے اپنے دباؤ کو کس طرح برقرار رکھتا ہے۔ اس ضمن میں پوری قوم کو متحد اور منظم ہو کر یک جاں اور یک قلب ہونے کا ثبوت دینا ہوگا اسی میں ہم سب کی بقا ہے۔